
زخمِ بہار
باقی صدیقی

زخمِ بہار

باقی صِدیقی

مکتبۂ کارواں۔ کچہری روڈ، انارکلی، لاہور

طابع : چودھری عبدالحمید ایم۔اے
مطبع : اردو پریس، لاہور
کاتب : سیف اللہ ... حسین خوشنویس۔
قیمت :

رُوداد گلستاں کو نیا رنگ دے گیا
رِستا رہا ہے خون جو زخمِ بہار سے

۱۹۵۰

سے

۱۹۵۹

تک

ایوب محسن کے نام

جن کے خلوصِ تنقید نے میری اکثر رہنمائی کی ہے

ترتیب

سرِ آغاز

جناب باقی صدیقی کے غزلیہ کلام کا انتخاب آیندہ صفحات میں پیش خدمت ہے۔ نیرنگِ تمنا کے یہ پھول اور شرارے کسی تعارف یا ابتدائیہ کے محتاج نہیں۔ کیونکہ ان کی تابش اور تپش اپنی انفرادیت کی آپ ضامن ہے۔ ان کا منتخب کلام ہونا بھی اس بات کی ضمانت ہے کہ ان غزلیات میں انفرادیت اور اہمیت دونوں موجود ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اس عجیب و غریب دور میں کوئی قابلِ ذکر شاعر اپنی حیاتِ شعری کے لگ بھگ دس سال کے سرمایہ کو انتخاب کی ہفت خواں میں سے گزارتا ہے تو اس آزمائش کے نتائج یقیناً اہم ہوں گے۔

غزل سرائی، موضوع اور مطالب، ہیئت اور نغمگی کے اعتبار سے جن مراحل سے گذر کر باقی صدیقی تک پہنچی ہے، اُن میں پس منظر کے طور پر موجودہ غزل کے لیے دو مرحلے اہم ہیں۔ ایک تو آج سے کوئی ساٹھ برس اُدھر کا مرحلہ ہے جب اس صدی کی ابتدا (اور

اس سے کچھ پہلے بھی؛ حسرت نے غزل سرائی شروع کی تھی، غزل کی قلمرو پر اس وقت رنگِ داغ (بشرکتِ امیر مینائی) کی حکمرانی تھی، اور اگرچہ گذشتہ صدی کے آخری بیس تیس برس میں پہلے جلال اور ان کے بعد آسی، عزیز، صفی اور شاد غزل گوئی کے آب و گل کے اس موسم اور مزاج کو بڑی حد تک بدل رہے تھے، پھر بھی غزل گوئی کا مزاج یہ تھا کہ داغ کی ہی معاملہ بندی یعنی رندی و عشق بازی ان ہی کے سے لب و لہجہ میں پیش کر دی جائے۔ حسرت نے اس دور لہجے پر نئی دُھن میں غزل سرائی شروع کی اور غزل کو ایک نئی حلاوت اور چاشنی ہی سے آشنا نہیں کیا بلکہ غزل کے نفسِ موضوع کو عشق بازی اور ہوسناکی کے روایتی رجحان کی بجائے انسانی دنیا کی جیتی جاگتی محبت سے آشنا کیا۔ اس محبت میں لمس اور حس دونوں کی کیفیات تھیں لیکن روایتی عشق کے اوپری مزے نہ تھے۔ اس محبت کے معاملے اور محاکات جرأت اور داغ کے قبیلہ سے صرف اسی حد تک متعلق تھے کہ ان لوگوں کا سرمایہ ناز بھی معاملہ بندی اور محاکات نگاری تھا۔ لیکن اس کے لمسی اور حسی پہلو ایک نئی ایمانی کیفیت، ایک نئے رمزیہ رجحان سے مالا مال تھے ان کے اظہار و بیان میں ایک نئی شیریں نوائی اور نغمگی اور توازن تھا اور اسی کی بدولت حسرت کی عشقیہ شاعری نہایت پاکیزہ اور مدہوش کن بن گئی۔

حسرت کے سامنے غزل نے ان گنت مراحل طے کئے، فانی نے غزل کے آب و رنگ میں میر کا گداز، غم کی گیرائی اور عظمت، انداز کلام بے پناہ وقار اور استحکام کا اضافہ کیا۔ اصغر کے ہاں یہی غزل عرفانِ نور کی ایسی منزل سے آشنائی ہوئی کہ ان کی زبان میں غزل کی تعریف یہ ہو گئی۔

غزل کیا، اک شرارِ معنوی گردش میں ہے اصغر

جگر نے اسے محض سرمستی اور جمال پرستی کا لطیفہ سمجھا، اور پھر دورِ حاضر میں فراقؔ نے اسے بڑی شعوری کوشش سے ذوقِ جمال کی ایک نئی پہنائی سے آشنا کیا۔ یہ پہنائی جسم کے بناؤ، روپ کی طلعت، سوزِ محبت کے چٹیلے پن اور غمِ دوراں کے ایک نئے اور گہرے احساس سے عبارت تھی۔

۱۹۴۷ء کا سال اہم تاریخی، سیاسی اور تمدنی انقلابات کا سال ہے۔ ان گوناگوں اور دُور رس انقلابات کا ایک بڑا کرشمہ یہ ہے کہ ہمارے شعر و ادب کے موضوع، اظہار اور مقاصد میں بھی ایسے انقلابات آئے جو رویّے، رجحانِ طبع اور تقاضائے عصر کے اعتبار سے اردو ادب کی تاریخ میں بے مثال ہیں۔ ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ اردو نظم میں داخلیت، نفسیاتی الجھاؤ اور ایمائی اظہارِ مطالب ایک طرف اور دوسری طرف خارجی اندازِ نظر اور براہِ راست اظہارِ مطالب کے درمیان جو خلیج حائل ہوتی جا رہی تھی وہ بڑی حد تک اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی عوامل نے ختم کر دی۔ شعرا نے غمِ جاں اور غمِ جاناں کے درمیان پردہ ہائے حائل کو ختم کر دیا۔ دوسری بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ اردو غزل ایک نئے موڑ اور نئی مقبولیت سے آشنا ہوئی۔

اردو غزل کا یہ دَور کئی اعتبار سے منفرد ہے۔ اس کی سب سے بڑی انفرادیت یہ ہے کہ غزل کے ایمائی اور رمزیہ مزاج میں نت نئی معنویت در آئی۔ موضوعاتِ غزل کو کھنگالا گیا۔ غزل کے استعارات اور تلمیحات کو بھی نئے محل، نئے معانی عطا ہوئے اور اس کی بدولت غزل نئے کیف، نئی سرمستی و لذت اور نئی تاثر آفرینی سے آشنا ہوئی۔ اس دور میں ایک بار پھر غزل کو حقائق کے آب و گل میں منضبط کیا گیا، عشق کے تجربات اور زندگی کی شورش پذیری کو شعوری طور پر حسن و صداقت کے ساتھ غزل میں جگہ دی گئی تاکہ

غزل اپنی غزلیت اور نغمگی میں دردمندی اور وارفتگی کا آئینہ بن جائے۔

اس دور کی انفرادیت یہ ہے کہ بنیادی طور پر نظم گو شعرا نے بھی غزل کی طرف توجہ کی۔ اور اس طرح غزل کے امکانات اس کی بے مثال تاثر آفرینی اور توانائی کو نہ صرف تسلیم کیا۔ بلکہ اس میں مطالب و اظہار کے لیے نئے نئے میلانات پیدا کیے۔ راشد کی چند غزلیں اور فیض کی بیشتر غزلیں اس کی ایک مثال ہیں اور قیوم نظر، ندیم، جوش اور شاد عارفی جیسے نظم گو بھی غزل کی طرف خصوصی طور پر متوجہ نظر آتے ہیں۔

جناب باقی صدیقی نے آیندہ صفحات میں اپنے جس دورِ شعری کا انتخاب پیش کیا ہے ہے۔ وہ غزل کے اسی دورِ نمو سے تعلق رکھتا ہے اور یہی وہ دور ہے جس میں پہلے تو غیر محسوس طور پر پھر واضح اور محسوس طور پر جناب باقی صدیقی نظم گوئی سے دست کش ہوتے ہوتے غزل کے پرستار رہے ہیں۔

ان غزلیات میں آپ غزل کی ایک نئی معنویت سے دوچار ہوں گے۔ اس معنویت کا تار و پود وہ سلیقہ، احساسِ تناسب اور صداقتِ شعری کا وہ احساس ہے جس کے بغیر کوئی جمالی تخلیق ممکن نہیں اور جو تغزل کی جان بھی ہے۔ تغزل کے سلیقے اور احساسِ تناسب کا تقاضا ہے کہ مطالب کا انداز بھی خاص ذوق اور سلیقے کی غمازی کرے اور اظہارِ مطالب بھی اسی ذوق، سلیقے اور رچاؤ کے حامل ہوں۔ جناب باقی کی ان منتخب غزلیات میں مطالب اور اظہارِ مطالب کا یہ سلیقہ، یہ حسنِ تناسب اور صداقتِ شعری کا یہ احساس ہر جگہ کارفرما ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

موج آتی ہے پلٹ جاتی ہے　　　کون سی بات نہیں ساحل میں

پوچھتے ہیں وہ حالِ دل باقیؔ
یہ بھی گویا مرے بیاں تک ہے

درد ہوتا تو مسلسل ہوتا
دل کو ہم دل تو بنانے پاتے

بے نیازی سی بے نیازی تھی
اپنے گھر کو نہ اپنا گھر جانا

لوگ غربت کا گلہ کرتے ہیں
ہم وطن سے نہیں جانے پاتے

چشمکِ ہمسفراں یاد نہیں
کون بچھڑا تھا کہاں یاد نہیں

اک اپنی وفا کی روشنی سے
کس کس کا دیا جلائیں گے ہم

نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے
گھر کہاں تھا کہ بیاباں میں رہے

اور اسی سلیقے اور حسنِ تناسب کے احساس نے جنابِ باقیؔ کی اِن غزلیات کو ایک اور انفرادی خصوصیت بخشی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان غزلیات سے ایک خاص شعری کردار نمایاں ہوتا ہے۔

اِس شعری کردار کی سب سے نمایاں خصوصیت ایک خاص قسم کی صلابت ہے۔ اِس کی تہ میں نفس کشی کا وہ میلان نظر آتا ہے جو گہری دل گداختگی برسوں میں پیدا کرتی ہے اور جب اِنسانی شخصیت اِس مرحلے پر پہنچ جاتی ہے تو اس میں بیک وقت دردمندی اور گداز، حوصلہ اور تسلیم، تڑپ اور استقامت پیدا ہو جاتے ہیں —— شخصیت کی صلابت انہی سے عبارت ہے۔ جناب باقیؔ نے اِس شعری کردار کی تہذیب و تشکیل زندگی کے جن تجربات سے کی ہے وہ بہت کم ان اشعار میں جھلکتے ہیں۔ غمِ جاناں کی ابتدا، انتہا اور اس کی نہج کا بھی زیادہ سراغ نہیں ملتا، کیونکہ جنابِ باقیؔ اس قبیل کی عاشقانہ حکمتِ عملی کے طبعاً قائل نہیں لیکن اِس استقامت اور تڑپ کا کرشمہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں ایک خاص قسم

کا صمیم انداز پیدا ہو گیا ہے

ہر کام ادھورا نظر آتا ہے جہاں کا
ہر سمت تری نیم نگاہی کا سماں ہے

الجھتا جا زمانے کی نظر سے — کبھی تو ہو گا دورِ امتحاں ختم

زخم آئینہ بنتے جاتے ہیں — حادثے سامنے لاتے ہیں مجھے

اُٹھتے اُٹھتے اُٹھیں گے پردے — صدیوں کا غبار درمیاں ہے

ہوش آنے لگا دیوانے کو — عقل کا سنگِ گراں یاد آیا

کھائیں کیوں دہر کا غم دیوانے — اور دنیا میں ہیں کم دیوانے

حادثہ ہے کوئی ہونے والا — دل کی مانند دھڑکتی ہے زمیں

رسمِ سجدہ بھی اُٹھا دی ہم نے — عظمتِ عشق بڑھا دی ہم نے

تغیر آشنا ہے سطحِ دریا — کبھی کشتی کبھی موجِ رواں گم

جب سے دل میں ترا غم رکھتے ہیں — خود سے ہم واسطہ کم رکھتے ہیں

یہ رنگ اور یہ انداز زیرِ نظر انتخاب میں ہر جگہ کار فرما ہے۔ کہیں یہ رنگ گہرا ہے کہیں ایمائی نیم نگاہی سے مالا مال۔ کہیں اس میں براہِ راست کیفیت ہے تو کہیں "حدیثِ دگراں" کے پردے میں اپنی بات کہی گئی ہے۔ مگر وثوقِ نفس کا یہ جوہر ان غزلیات میں ہر جگہ آئینہ ساماں ہے۔

اس شعری کردار کی دوسری خصوصیت، جسے پہلی خاصیت کا منطقی نتیجہ سمجھنا چاہیے خود داری اور پاسِ وضع کا خیال ہے۔ اس خود داری کو اُس انا پرستی سے ممتاز کرنا ہو گا جس کا احساس سودا کی بلند بانگی اور طبعی طنطنے میں ملتا ہے۔ اِسے میر کی نازک مزاجی (بقول اُن کے "کم دماغی") سے بھی زیادہ علاقہ نہیں، کیونکہ اس کے لیے احساسِ کمال اور زمانے کی

شکوہ سنجی ضروری عناصر ہیں۔ یہ خودداری غالب کی سی رفعتِ نفس اور فانی کی یکتائی غم سے بھی عبارت نہیں کیونکہ عام معنوں میں مندرجہ بالا عناصر ہی خودداری کے عناصرِ ترکیبی سمجھے جاتے ہیں۔ ان غزلیات کے شعری کردار کی خودداری اپنی شخصیت کے واضح تیقن، اس کی تعیین اور اپنی آواز کی انفرادیت کا احساس ہے اور بس۔ اسی تیقن کی بدولت وہ اپنی آواز کو اپنی آواز سمجھتے ہیں اور اس کی ناموس کا خیال کرتے ہیں۔ یہی وہ پاسِ وضع ہے جو انھیں اپنی انفرادیت کے لیے لازمی طور پر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ملاحظہ ہو

مدعا خامشی تک آ پہنچا — اب نگاہوں سے بات کیا ہوگی

ہم سے بھی زمانہ آشنا ہے — ہم بھی ترے ہم نفس رہے ہیں

ہم پہ کیجے نہ بھروسہ باقی — ہم خیال اپنا بھی کم رکھتے ہیں

اپنے زخموں میں چھپے جاتے ہیں — کوئی دیکھے تو نظر آتے ہیں

کیا تم سے گلہ کہ مہرباں ہو — جیتے رہو، خوش رہو، جہاں ہو

اس قدر تلخ تھی رُودادِ حیات — یاد آتے ہی بھلا دی ہم نے

چُپ رہیں ہم تو گلے ہوتے ہیں — کچھ کہیں تو کوئی سُنتا بھی نہیں

واقفِ ننگِ دہر ہو کر بھی — تجھ سے ملتے ہیں کس خوشی سے ہم

ہم تھے شاکی کہ جہاں تھا شاکی — کون تھا کسی پہ گراں یاد نہیں

دیکھ کر رنگ تری محفل کا — ہم نے غیروں کی طرح باتیں کیں

زیست کس مرحلے پہ آ پہنچی — وضعداری کا بھی سوال گیا

اور بھی تلخ ہو گیا جینا — وضعداری کا جب خیال آیا

اپنی انفرادیت اور اس کی ناموس، پاسِ وضع کا یہ التزام اس بات کا بھی تقاضا

کرتا ہے کہ یہ شعری کردار اُن مراتب کا خاص طور پر خیال رکھے جنھیں "ما و من" کے مراتب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ اِن غزلیات میں خاص اہتمام دیکھیں گے۔ چنانچہ "ہم اور تم" "دیوانے اور دہر"، "ہم اور لوگ" کے مراتب، مرحلے اور معاملاتِ درمیاں ہر غزل میں نت نئے پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔

اس شعری کردار کی سب سے دلآویز خصوصیت اوقات کی تعیین اور اس تعیین کا احساس ہے۔ راتوں کے سناٹے، شاموں کی تنہائی، نورِ سحر کی پہلی چھوٹ، اور پھر طلوعِ خورشید کا ہنگام، دنوں کی اُداسی اور بے دلی، زندگی کے راستے پر وہ موڑ ہیں جن سے یہ شعری کردار آشنا ہوتا ہے۔ ان اوقات میں جو جو کیفیتیں مستور ہیں اُن کو محفوظ کرتا ہے ان اوقات سے دل پر جو جو تاثر ہوتا ہے۔ اُسے جذبے اور خیال کی ہم آہنگی سے عجیب و غریب عالم عطا کر دیتا ہے ان اوقات کے ساتھ جو معاملات کسی آن وابستہ ہو گئے تھے، اُن کو اور اُن کی یادوں کو کبھی شعلہ ساماں کبھی شبنم ریز بنا دیتا ہے۔ ان اوقات کے ساتھ، دل کی لگاوٹیں، بیقراری اور اشکباری کے مزے، ہلکی سرد آہوں کی آنچیں، محرومی کا جاں گداز خیال ہر آن نئی قیامتیں اٹھاتا ہے، اور جو کوئی ان قیامتوں کو جھیل کر، اور اپنا کر، انھیں لفظوں میں لا سکے جیت اسی کی ہوتی ہے کیونکہ وہی فن کاری کی دو بنیادی شرطوں یعنی حُسن اور حقیقت کو پورا کر کے تیسری اور سب سے ضروری شرط یعنی تاثر آفرینی پر قادر ہو جایا کرتا ہے۔ جناب باقیؔ کا شعری کردار اس سلسلے میں منفرد بھی ہے اور ہمہ جُو بھی۔ مثلاً

پھر بجھی شمع جلا دی ہم نے — جانے کیا وقتِ سحر یاد آیا

صبح کی فکر میں رہنے والے — رات کرتے ہیں بسر آنکھوں میں

ضو صبح کی چھُو رہی ہے دل کو — ہر چند کہ رات درمیاں ہے

نیند چبھنے لگی ہے بند آنکھوں میں — جب چراغوں کا دھواں یاد آیا

اک کرن اس طرف سے گذری ہے — ہو رہی ہے کہیں سحر ساقی

اے بادِ سحر نہ چھیڑ ہم کو — ہم جاگے ہوئے ہیں رات بھر کے

کس کی آمد ہے کہ لو دیتے ہیں — راستے کاہکشاں کی صورت

یہ غمِ دل یہ شبِ تنہائی — سوچتے سوچتے سو جاتے ہیں

لبِ گل تک نہ تر ہوئے باقیؔ — رات برسی کچھ اس طرح شبنم

آئنہ بن گئی شفق باقیؔ — یاد آیا دمِ سحر کیا کیا

کس طرح کٹے گی رات باقیؔ — دن تو کسی طور سے گذارا

یا کسی نے ابھی سے صبح کا نام — ستارے جھلملا اُٹھے سرِ شام

خواب بن بن کے بکھرتا ہے جہاں — شام سے تا بہ سحر آنکھوں میں

اس سلسلے میں مثالوں کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اوقات کی یہ تعیین اور اس کے پیدا کردہ کوائف ہر جگہ ملتے ہیں۔ اسی تعیینِ اوقات کے ساتھ وہ پابندی بھی ہے جو ایسی طبائع کی فطرت ہے یعنی رُت اور موسم کا لحاظ ــــ اور جناب باقی کے اس شعری کردار نے بہار و خزاں کے تلازمات اور اُن کے متعلقات کو ہر جگہ وارداتِ قلبی میں سمویا ہے، ان کا انداز یہ ہے :-

دستِ گلچیں ہے کہ شاخِ گل ہے — جب اٹھے اک گلِ تر لے آئے

ہائے وہ قافلے جو لٹ کر بھی — زیرِ دیوارِ گلستاں ٹھہرے

اے خالقِ بہار یہ کیسی بہار ہے — ہم اک تبسمِ گلِ تر کو ترس چلے

تھا میسر نہ ایک تار ہمیں — ہنس پڑی دیکھ کر بہار ہمیں

خشک پتوں پہ سرشکِ شبنم،
اور کیا حاصلِ رنگ و بُو ہے

ہے فرصتِ زہر خند کس کو
پھولوں کو صبا نہ گدگدائے

شاخوں میں تھی دبی ہوئی شاید خزاں کی آگ
گلشن بھڑک اُٹھا ہے نسیمِ بہار سے

رُودادِ گلستاں کو نیا رنگ دے گیا
رِستا رہا ہے خون جو زخمِ بہار سے

روش روش پہ سلگتے ہوئے شگوفوں سے
کبھی کبھی ہمیں اندازۂ بہار ہُوا

جب کوئی تازہ شگوفہ پھوٹا
کی گلستاں میں منادی ہم نے

آگ گلشن میں لگی تھی باقیؔ
فصلِ گُل تھی کہ خزاں یاد نہیں

بادِ خزاں کا فیض ہے یا لغزشِ بہار
کچھ پھول ٹوٹ کر مرے داماں میں آئے ہیں

آخر میں ایک بات اور۔ ان غزلیات میں اندازِ بیاں کا ایک خاص وقار اور تمکنت کار فرما ہے۔ یہ بھی اس شعری کردار کا خاصہ ہے اور اس کی بدولت جنابِ باقیؔ نے چند مخصوص اور (اکثر اوقات) نہایت مختصر بحریں ہی اپنے دل کے کرب کو لفظوں میں آسودہ کرنے کے لیے انتخاب کی ہیں۔ ان مختصر بحروں کی فنی سنگلاخی محتاجِ بیان نہیں۔ ان میں بات بنانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ بیان کی نشتریت پر قدرت حاصل ہو جائے ورنہ گنجائش اتنی محدود ہوتی ہے کہ خیال کا اظہار تو ہو جاتا ہے، نکتہ وری نہیں ہو سکتی۔ یہ جنابِ باقیؔ کا اعجاز ہے کہ انھوں نے نکتہ وری بھی کی ہے اور ان محدود بحروں کے باوصف ایک خاص شعری کردار بھی نمایاں کر دکھایا ہے۔

اور اب اِس شعری کردار کی داستان ختم ہوئی اور انتخابِ باقیؔ پیشِ خدمت ہے۔

وہاں سے میرا افسانہ چلے گا
جہاں ہو گی تمھاری داستاں ختم

مختار صدیقی

○

دیکھ کر تجھ میں کچھ نشانِ غزل
ہو گئے مست عاشقانِ غزل

یہ ادائیں، یہ حسن ، یہ تیور
تجھ پہ ہونے لگا گمانِ غزل

تیری باتوں کا لطف آتا ہے
اتنی رنگین ہے زبانِ غزل

ہے عبارت غزل سے تیرا غرور
اور قائم ہے تجھ سے شانِ غزل

نت نئے رُوپ میں اُبھرتا ہے
تیرا غم ہے مزاجدانِ غزل

دل کا ہر زخم بول اُٹھتا ہے
جب گزرتا ہے کاروانِ غزل

وقت کے ساتھ رُخ بدلتا ہے
ہر گھڑی ہے نیا جہانِ غزل

اور بھی کچھ طویل کر دی ہے
غمِ ہستی نے داستانِ غزل

کچھ طبیعت اُداس ہے باقی
آج دیکھا نہیں وہ جانِ غزل

○

سوزِ دل، زخمِ جگر لے آئے
حادثے زادِ سفر لے آئے

دستِ گلچیں ہے کہ شاخِ گُل ہے
جب اُٹھے اک گلِ تر لے آئے

ننگِ ہستی ہے سکوتِ ساحل
کوئی طوفاں کو ادھر لے آئے

اپنی حالت نہیں دیکھی جاتی
ہم کو حالات کدھر لے آئے

تجھ سے مل کر بھی نہ تجھ کو پایا
غم بہ اندازِ دگر لے آئے

زندگی اُس کی ہے جو دُنیا کو
زندگی دے کے نظر لے آئے

دامنِ لالہ و گُل سے باقی
مل سکے جتنے شرر لے آئے

○

رسمِ سجدہ بھی اُٹھادی ہم نے
عظمتِ عشق بڑھادی ہم نے

جب کوئی تازہ شگوفہ پھوٹا
کی گلستاں میں منادی ہم نے

آنچ صیاد کے گھر تک پہنچی
اِتنی شعلوں کو ہوا دی ہم نے

جب چمن میں نہ کہیں چین ملا
درِ زنداں پہ صدا دی ہم نے

دل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے

اس قدر تلخ تھی رودادِ حیات
یاد آتے ہی بھُلا دی ہم نے

حال جب پُوچھا کِسی نے باقی
اک غزل اپنی سُنا دی ہم نے

○

ہمہ تن عرضِ حال ہیں ہم لوگ
اک مجسّم سوال ہیں ہم لوگ

موت اپنی نہ زندگی اپنی
کس گماں کا مآل ہیں ہم لوگ

اور کس پر یہ حادثے گذرے
آپ اپنی مثال ہیں ہم لوگ

آپ سمجھیں تو اک حقیقت ہیں
ورنہ خواب و خیال ہیں ہم لوگ

زخمِ بہار

لاکھ پردوں میں بھی نمایاں ہیں
وقت کے خد و خال ہیں ہم لوگ

چارہ سازوں کے سر و ماتھے پر
عرقِ انفعال ہیں ہم لوگ

زندگی کی بساط پر باقی
موت کی ایک چال ہیں ہم لوگ

○

پھُول بکھرے ہیں خاک پر ساقی
بامِ افلاک سے اُتر ساقی

میکدہ اور مہیب سنّاٹا
بے رُخی اور اس قدر ساقی

تشنہ کامی سی تشنہ کامی ہے
دل میں پڑنے لگے بھنور ساقی

بجھ رہا ہے چراغِ مے خانہ
رگِ ساغر میں خون بھر ساقی

بار ہیں اب خزاں کے ہنگامے
فصلِ گُل کی کوئی خبر ساقی

رند بکھرے ہیں ساغروں کی طرح
رنگِ محفل پہ اک نظر ساقی

بے ارادہ چھلک چھلک جانا
جامِ مے ہے کہ چشمِ تر ساقی

اک کرن اس طرف سے گذری ہے
ہو رہی ہے کہیں سحر ساقی

توڑ کر سب حدودِ میخانہ
بوئے مے کی طرح بکھر ساقی

جانے کل رنگِ زندگی کیا ہو
وقت کی کروٹوں سے ڈر ساقی

رات کے آخری تبسم پر مے باقی نثار کر ساقی

○

اُلٹی بساطِ مے کدہ، جام ہوس چلے
ساقی کا خون پی لیں جو رندوں کا بس چلے

اے خالقِ بہار یہ کیسی بہار ہے
ہم اک تبسمِ گُلِ تر کو ترس چلے

ہر سمت ہیں بہار پہ پہرے لگے ہوئے
بادِ صبا چلے تو قفس تا قفس چلے

یا اس طرح کسی کو پیامِ سفر نہ دے
یا ہم کو ساتھ لے کے صدائے جرس چلے

کیوں چھا رہی ہے بزمِ جہاں پر فسردگی
دو دن تو اور ساغرِ سوزِ نفس چلے

ممکن ہے آ ملے کوئی گم گشتہ راہرو
تھوڑی سی دور اور صدائے جرس چلے

باقی وہی تپش ہے وہی رنگ و بو کی پیاس
کہنے کو جھوم جھوم کے بادل برس چلے

○

بوئے خوں آتی ہے پیمانے سے
رند اُٹھ جائیں نہ میخانے سے

کوئی دنیا سے شکایت تو نہیں
کون پوچھے ترے دیوانے سے

کس کے ہنسنے کی صدا آئی ہے
دل میں چلنے لگے پیمانے سے

زندگی کا یہ معمّہ باقی
اور اُلجھا مرے سُلجھانے سے

○

ہم کس کے جہاں میں بس رہے ہیں
جینے کے لیے ترس رہے ہیں

گلشن میں انہیں بھی ہم نہیں یاد
جو ساتھ قفس قفس رہے ہیں

آئی ترے قہقہوں کی آواز
یہ پھول کہاں برس رہے ہیں

کس رنگ میں زندگی کو ڈھالیں
ہر رنگ میں آپ بس رہے ہیں

ہم سے بھی زمانہ آشنا ہے
ہم بھی ترے ہم نفس رہے ہیں
شبنم کی طرح اڑے تھے باقی
بادل کی طرح برس رہے ہیں

○

زندگی اتنی گراں بار نہیں
ہم ابھی مرنے کو تیار نہیں

لالہ و گل کی تمنا کیسی
ایک کانٹے کے روادار نہیں

بزمِ ہستی میں ہے ہُو کا عالم
کوئی منصور سرِ دار نہیں

راہ میں اور بھی دیواریں ہیں
ایک حالات کی دیوار نہیں
سب ہوس کے ہیں تقاضے باقی
ورنہ گلشن میں کوئی خار نہیں

○

اُٹھی نقاب جب رُخِ صبحِ بہار سے
روئی صبا لپٹ کے ہر اک شاخسار سے

شاخوں میں تھی دبی ہوئی شاید خزاں کی آگ
گلشن بھڑک اُٹھا ہے نسیمِ بہار سے

گذرے ہوئے دِنوں کے تصوّر سے فائدہ
کیا روشنی ملے گی چراغِ مزار سے

رُوداد گلستاں کو نیا رنگ دے گیا
رِستا رہا ہے خون جو زخمِ بہار سے

باقی کبھی جلی تھیں محبت کی بستیاں
راہوں میں اُڑ رہے ہیں ابھی تک شرار سے

○

کیا تم سے گِلہ کہ مہرباں ہو
جیتے رہو، خوش رہو، جہاں ہو

خونِ دل کا معاملہ ہے
دنیا ہو کہ تیرا آستاں ہو

منّت کشِ داستاں سرا ہے
میری ہو کہ تیری داستاں ہو

دُنیا بھی مجھے کہہ رہی ہے کیا کیا
کچھ تم بھی کہو کہ راز داں ہو

کس سوچ میں پڑ گئے ہو باقیؔ
دُنیا تو وہیں ہے تم کہاں ہو

○

ہے یہ کیسی غمِ جاں کی صورت
دل بھی اب چپ ہے زباں کی صورت

خود یہ ہوتا ہے کسی کا دھوکا
کون سی ہے یہ گماں کی صورت

کس کی آمد ہے کہ لو دیتے ہیں
راستے کاہکشاں کی صورت

زیست کی راہ میں اکثر آیا
دل بھی اک سنگِ گراں کی صورت

غم کے ہر موڑ پہ تیری باتیں
یاد آتی ہیں زیاں کی صورت

درمیاں تھیں وہ نگاہیں ورنہ
تھی یہی بزمِ جہاں کی صورت

دیکھ کر صورتِ ساحل باقیؔ
چل دیے موجِ رواں کی صورت

○

موج ساحل سے جب جُدا ہوگی
ایک طوفاں کی ابتدا ہوگی

مجھ سے پوچھو نہ داستاں میری
میری ہر بات نارَوا ہوگی

مدّعا خامشی تک آپہنچا
اب نگاہوں سے بات کیا ہوگی

دل انوکھا چراغ ہے باقیؔ
بجھ کے بھی روشنی سوا ہوگی

○

دل کے لیے حیات کا پیغام بن گئیں
بے تابیاں سمٹ کے ترا نام بن گئیں

کچھ لغزشوں سے کام جہاں کے سنور گئے
کچھ جرأتیں حیات پر الزام بن گئیں

ہر چند وہ نگاہیں ہمارے لیے نہ تھیں
پھر بھی حریفِ گردشِ ایام بن گئیں

باقیؔ مآلِ شوق کا آنے لگا خیال
جب آرزوئیں پھیل کے اک دام بن گئیں

یہی جہاں تھا، یہی گردشِ جہاں تھی کبھی
تُو مہرباں تھا تو دنیا بھی مہرباں تھی کبھی

ترے شگفتہ شگفتہ نقوشِ پا کے طفیل
مری نگاہ میں ہر راہ کہکشاں تھی کبھی

مرے خیال سے تیرا غرور روشن تھا
تری نگاہ سے دُنیا مری جواں تھی کبھی

ترے تبسمِ رنگیں سے پھول کھلتے تھے
مری حیات بہاروں کی داستاں تھی کبھی

وہ بے خودی مری، وہ تیرے قرب کا احساس
نہ آس پاس تھی دنیا نہ درمیاں تھی کبھی

کبھی کبھی مجھے باقی خیال آتا ہے
وہاں نہیں ہے مری زندگی جہاں تھی کبھی

○

ہم تو دُنیا سے بدگماں ٹھہرے
آ گئے دل کی خوشی جہاں ٹھہرے

ہائے وہ قافلے جو لُٹ کر بھی
زیرِ دیوارِ گلستاں ٹھہرے

آپ کو کارواں سے کیا مطلب
آپ تو میرِ کارواں ٹھہرے

زندگی چاہتی ہے ہنگامہ
اور ہم لوگ بے زباں ٹھہرے

کبھی تیری تلاش میں نکلے
کبھی بن کر ترا نشاں ٹھہرے

گردشِ دہر ساتھ ساتھ رہی
ہم جدھر بھی گئے، جہاں ٹھہرے

ہر نظر سنگِ راہ تھی باقیؔ
کیا بتائیں کہاں کہاں ٹھہرے

○

چھا کر دلوں پہ اُن کی نظر مطمئن نہیں
تاروں کو روند کر بھی سحر مطمئن نہیں

ہونٹوں سے آہ چھیننے والے اِدھر تو دیکھ
ہم چپ تو ہو گئے ہیں مگر مطمئن نہیں

رُودادِ غم ہے اب نئے عنواں کی فکر میں
آنسو بہا کے دیدۂ تر مطمئن نہیں

کس کاروانِ لالہ و گُل کا ہے انتظار
کیوں زندگی کی راہگذر مطمئن نہیں

باقیؔ عجیب روگ ہے یہ رنگ و بو کی پیاس
دل مطمئن ہُوا تو نظر مطمئن نہیں

○

کر لیا آپ نے گھر آنکھوں میں
اب کھٹکتی ہے نظر آنکھوں میں

خواب بن بن کے بکھرتا ہے جہاں
شام سے تا بہ سحر آنکھوں میں

صبح کی فکر میں رہنے والے
رات کرتے ہیں بسر آنکھوں میں

کھُل گیا رازِ گلستاں دل پر
چبھ رہے ہیں گلِ تر آنکھوں میں

روز اک طرفہ تماشا بن کر
وقت کرتا ہے سفر آنکھوں میں

بات چھیڑی تو ہے اُن کی باقی
آ گئے اشک اگر آنکھوں میں

○

تھا میسّر نہ ایک تار ہمیں
ہنس پڑی دیکھ کر بہار ہمیں

زخمِ دل دیکھ کر خیال آیا
تجھ پہ کتنا تھا اعتبار ہمیں

تیری نظروں پہ حرف آتا ہے
ورنہ دل پر ہے اختیار ہمیں

غیر سے اس طرح ملے جیسے
مل گیا کوئی غمگسار ہمیں

دلِ پُر درد کا تقاضا ہے
دوستوں کی طرح پکار ہمیں

بارہا وقت نے دیے باقی
پھول کے رنگ میں شرار ہمیں

○

اشکوں میں خیال ڈھل رہے ہیں
بجھ بجھ کے چراغ جل رہے ہیں

آدابِ چمن بھی سیکھ لیں گے
زنداں سے ابھی نکل رہے ہیں

پھولوں کو شرار کہنے والو
کانٹوں پہ بھی لوگ چل رہے ہیں

آرام کریں کہاں مسافر
سائے بھی شرر اُگل رہے ہیں

حالات سے بے نیاز ہو کر
حالات کا رُخ بدل رہے ہیں

کہتے ہیں اسے نصیب باقیؔ
پانی سے چراغ جل رہے ہیں

○

لیا کس نے ابھی سے صبح کا نام
ستارے جھلملا اُٹھے سرِ شام

فسونِ آرزو ٹوٹے نہ ٹوٹے
ہمارے سامنے ہے دل کا انجام

چلے جائیں گے خالی ہاتھ بھی ہم
مگر آئے تھے سُن کر آپ کا نام

جو ہم بدلے تو کوئی بھی نہ بدلا
جو تم بدلے تو بدلا دورِ ایام

محبت اور اطوارِ زمانہ

کیا اپنی وفا نے ہم کو بدنام
تمنّا داغ دے جائے نہ باقی
ستارا ایک ٹوٹا ہے سرِ شام

○

فکرِ جاں بے سبب نہیں ہوتی
اتنی لمبی تو شب نہیں ہوتی

کھُل کے باتیں کرو کہ اب ہم سے
گفتگو زیرِ لب نہیں ہوتی

دل کی حالت عجیب ہوتی ہے
کوئی اُمید جب نہیں ہوتی

ہر نئے حادثے پہ حیرانی
پہلے ہوتی تھی اب نہیں ہوتی

ہم کہاں تک گلے کریں باقیؔ
وہ نظر دُور کب نہیں ہوتی

○

کیا ہے اِس اُجڑی ہوئی منزل میں
تیرے دُشمن رہیں میرے دِل میں

وہم آنے لگے کیا کیا دل میں
رُک گیا قافلہ کس منزل میں

سوچتا کچھ ہے تو کرتا کچھ ہے
آدمی ہوتا ہے جب مشکل میں

موج آتی ہے، پلٹ جاتی ہے
کون سی بات نہیں ساحل میں

جانے کیا دل کو ہُوا ہے باقیؔ
جی نہیں لگتا کسی محفل میں

○

جب گھیر کے بے کسی نے مارا
کوئی بھی نہ دے سکا سہارا

خاموش ہیں اس طرح وہ جیسے
ہم نے کسی اور کو پکارا

احساس ملا ہے سب کو لیکن
چمکا ہے کوئی کوئی ستارا

ہوتی ہے قدم قدم پہ لغزش
ملتا ہے کہیں کہیں سہارا

کھاتے گئے ہم فریب جتنے
بڑھتا گیا حوصلہ ہمارا

کس طرح کٹے گی رات باقی
دن تو کسی طور سے گذارا

یاد نہ آؤ صبح و شام
اور بھی ہیں دُنیا کے کام

ایسی پیاس کا کیا ہوگا
جب بھی دیکھو تشنہ کام

کوئی تیری بات کرے
ہم پر آتا ہے الزام

کتنے فسانوں کا عنواں
میری نظریں تیرا بام

چپکے چپکے دل سے گذر
دیکھ نہ لے دورِ ایّام

اِتنا جُرم نہ تھا باقی
جتنے ہوئے ہیں ہم بدنام

○

ڈوب کر نبض اُبھر آئی ہے
کیا کوئی ان کی خبر آئی ہے

ٹمٹمانے لگے یادوں کے چراغ
شبِ غم دل میں اُتر آئی ہے

ہر لرزتے ہوئے تارے میں ہمیں
اپنی تصویر نظر آئی ہے

ایک برسا ہوا بادل جیسے
لو شبِ غم کی سحر آئی ہے

میرے چہرے پہ تبسّم کی طرح
اک شکن اور اُبھر آئی ہے

میری قسمت میں نہیں کیا باقی
جو خوشی غیر کے گھر آئی ہے

○

ہم سخن ہے نہ ہمنوا کوئی
کس توقع پہ دے صدا کوئی

اب تصوّر بھی ساتھ دے نہ سکے
دُور اتنا نکل گیا کوئی

منزلوں خود سے بڑھ گئے آگے
دو قدم ساتھ جب چلا کوئی

زندگی راستہ ہے یا منزل
چل دیا سوچتا ہوا کوئی

زخمِ بہار

کس توقع پہ آرزو کی تھی
کام آیا نہ آسرا کوئی

آس ٹوٹی کچھ اس طرح باقی
جیسے پردہ سا اٹھ گیا کوئی

○

زیست بھر میں ہوں گراں یا تُو ہے
تشنۂ شوق ہر اک پہلُو ہے

خُشک پتّوں پہ سرِ شاکِ شبنم
اور کیا حاصلِ رنگ و بُو ہے

وقت مُنہ دیکھ رہا ہے سب کا
کوئی غافل کوئی حیلہ جُو ہے

جانے کب دیدۂ تر تک پہنچے
دل بھی اک جلتا ہوا آنسُو ہے

زخم بھر جائیں گے بھرتے بھرتے
زندگی سب سے بڑا جادو ہے

کس کی آمد ہے چمن میں باقیؔ
اجنبی اجنبی سی خوشبو ہے

○

اُٹھ کر مری نظر ترے رُخ پر ٹھہر گئی
وہ سیرِ رنگ و بُو کی تمنّا کدھر گئی

کچھ اتنا بے ثبات تھا ہر منظرِ حیات
اِک زخم کھا کے آئی جدھر بھی نظر گئی

تیرے بغیر رنگ نہ آیا بہار میں
اک اک کلی کے پاس نسیمِ سحر گئی

شبنم ہو، کہکشاں ہو، ستارے ہوں، پھول ہوں
جو شے تمھارے سامنے آئی نکھر گئی

ہر چند میرے غم کا مداوا نہ ہو سکا
پھر بھی تری نگاہ بڑا کام کر گئی

وارفتگانِ شوق کا باقی نہ حال پوچھ
دل سے اُٹھی وہ موج کہ سر سے گزر گئی

○

کچھ بھی پایا نہ دردِ سر کے سوا
گھٹے جس در پہ تیرے در کے سوا

یوں پریشاں ہیں جیسے حاصلِ شب
آج کچھ اور ہے سحر کے سوا

کس کے در پر صدا کریں جا کر
وا نہیں کوئی اپنے در کے سوا

کل تو سب کچھ تھی آپ کی آمد
آج کچھ بھی نہیں خبر کے سوا

وائے ہنگامہ جیسے کچھ بھی نہیں
کارواں شورِ رہگذر کے سوا

یہ نشیمن یہ گلستاں باقی
اور سب کچھ ہے بال و پر کے سوا

○

کس نے کھینچی حیات کی تصویر
ہاتھ میں جام، پاؤں میں زنجیر

بات کرتا ہے ہنس کے جب صیاد
بھول جاتے ہیں اپنی بات اسیر

ہائے یہ راستے کے ہنگامے
اک تماشا سا بن گئے رہگیر

دیکھنا طرزِ پُرسشِ احوال
بات کی بات اور تیر کا تیر

اتنے باریک تھے نقوشِ حیات
بنتے بنتے بگڑ گئی تصویر

وہ زمانے کی چال تھی باقیؔ
ہم سمجھتے رہے جسے تقدیر

○

بولے مُنہ سے نہ مسکرائے
آئے مرے غمگسار آئے

دامن بھی نہ ہو جسے میسّر
زخموں کو وہ کس طرح چھپائے

عنوانِ حیات بن گئے ہیں
جو تیری نظر نے گُل کھلائے

ہے فرصتِ زہر خند کس کو
پھُولوں کو صبا نہ گدگدائے

زخموں کو وہ چھیڑتے ہیں باقیؔ
لب پہ کوئی بات آ نہ جائے

○

دل نے اظہارِ غم پہ اُکسایا
آپ کی برہمی کا وقت آیا

کون سے راستے پہ چل نکلے
جس نے دیکھا اُسی نے سمجھایا

اور بھی تلخ ہو گیا جینا
وضعداری کا جب خیال آیا

ہر تمنّا سے بے نیاز ہوئے
یوں بھی دامانِ زیست پھیلایا

جانے کس غم میں سوئے تھے باقیؔ
آنکھ کھلتے ہی کوئی یاد آیا

○

○

غم اور خوشی کے راستے آکر جہاں ملے
کچھ مہرباں جُدا ہوئے کچھ مہرباں ملے

جن کے طفیل بزمِ تمنا میں رنگ تھا
وہ لوگ تجھ کو گردشِ دوراں کہاں ملے

راہوں پہ آج اُن کا تصور بھی ہے گراں
منزل کے پاس کل جو ہمیں کارواں ملے

اہلِ نظر سے دل کی مہم سر نہ ہو سکی
کچھ سرنگوں ملے ہیں تو کچھ سرگراں ملے

رُوداد شوق تشنۂ اظہار ہی رہی
ملنے کو ہم خیال ملے، ہم زباں ملے

خوں رو رہے تھے کل جو بہاروں کی یاد میں
وہ آج بے نیازِ غمِ گلستاں ملے

باقی نہ تھی اگرچہ فریبِ وفا کی تاب
پھر بھی رُخِ نقوشِ محبت جہاں ملے

○

آپ تک ہے نہ غمِ جہاں تک ہے
جانے یہ سلسلہ کہاں تک ہے

اشکِ شبنم ہوں یا تبسّمِ گل،
ابھی ہر راز گلستاں تک ہے

اُن کی پرواز کا ہے شور بہت
گرچہ اپنے ہی آشیاں تک ہے

پھُول ہیں اس کے، باغ ہے اُس کا
دسترس جس کی باغباں تک ہے

پُوچھتے ہیں وہ حالِ دل باقیؔ
یہ بھی گویا مرے بیاں تک ہے

جب سے دل میں ترا غم رکھتے ہیں
خود سے ہم واسطہ کم رکھتے ہیں

شک نہ کیجے مری خاموشی پر
لوگ سو طرح کے غم رکھتے ہیں

یوں بھی ملتی ہیں وہ نظریں جیسے
اک تعلق سا بہم رکھتے ہیں

کرتے پھرتے ہیں تمھاری باتیں
یوں بھی ہم اپنا بھرم رکھتے ہیں

ہم پہ کیجے نہ بھروسہ باقی
ہم خیال اپنا بھی کم رکھتے ہیں

○

جنونِ عشق کی منزل وہی ہے
جہاں ہر آشنا بھی اجنبی ہے

انہی مجبوریوں نے مار ڈالا
کہ تیری ہر خوشی میری خوشی ہے

ابھی ہے اُن کے آنے کی توقع
ابھی راہوں میں کچھ کچھ روشنی ہے

مری بربادیوں کا پوچھنا کیسا
تری نظروں کی قیمت بڑھ گئی ہے

جہاں اُن کا سوال آیا ہے باقیؔ
وہاں اپنی کمی محسوس کی ہے

○

پی کے تلخابۂ غم جاتے ہیں
لے تری بزم سے ہم جاتے ہیں

جب سے اُٹھ آئے تری محفل سے
ہم کہیں اور بھی کم جاتے ہیں

جانے اُس راہ میں کیا کھو آئے
روز کچھ ڈھونڈنے ہم جاتے ہیں

اُن کے غصّے کے نہ تیور بدلے
ورنہ طوفان بھی تھم جاتے ہیں

جب سے ٹوٹا ہے سفینہ باقیؔ
ساتھ ہر موج کے ہم جاتے ہیں

○

جس طرف بھی ترا خیال گیا
اک نئے غم کی طرح ڈال گیا

زیست کِس مرحلے پہ آپہنچی
وضعداری کا بھی سوال گیا

غمِ دل پر غمِ جہاں کا گماں
چھوڑئیے لطفِ عرضِ حال گیا

ہر تمنا پہ غم کا پہرہ تھا
پھر بھی کس کس طرف خیال گیا

دل سے رہ رہ کے ہم اُلجھتے ہیں
کِس مصیبت میں کوئی ڈال گیا

درد اُٹھا کچھ اِس طرح باقی
دل کی سب حسرتیں نکال گیا

○

یہ آگ آگ ہوائیں، یہ سُرخ سُرخ زمیں
مسافروں کے ارادے بدل نہ جائیں کہیں

ترے بغیر نظر کا یہ حال ہے جیسے
تمام شہر کی شمعیں کسی نے گُل کر دیں

ہزار کروٹیں لیتی ہے ایک پل میں حیات
جو ایک بار نگاہیں ہٹیں تو پھر نہ ملیں

ترے خیال میں گم ہو گئے ہیں دیوانے
ترے سوا کوئی اب تیری انجمن میں نہیں

اسی کا نام تو دیوانگی نہیں باقی
کہ اپنے آپ سے ہنس ہنس کے ہم نے باتیں کیں

○

دل پہ کچھ کھُل سکا نہ رازِ غم
وہ نگاہیں اُٹھیں مگر کم کم

اس طرح ہو گئے جُدا جیسے
راہ میں یوں ہی مل گئے تھے ہم

آرزو راستے میں چھوڑ گئی
ہم ہیں اور زندگی کے پیچ و خم

پستیاں بھی گریز کرنے لگیں
کس بلندی سے گر رہے ہیں ہم

لبِ گل بھی نہ تر ہوئے باقیؔ
رات برسی کچھ اس طرح شبنم

○

راہ میں شمع جلا بیٹھے ہیں
کس سے ہم آس لگا بیٹھے ہیں

رنگِ محفل سے ہمیں کیا مطلب
جانے کیا سوچ کے آ بیٹھے ہیں

ختم ہوتی نہیں دل کی باتیں
اپنا قصّہ تو سُنا بیٹھے ہیں

کون سُنتا ہے کسی کی آواز
ہم ابھی کر کے صدا بیٹھے ہیں

مسکرایا ہے زمانہ کیا کیا
کھا کے جب تیرِ وفا بیٹھے ہیں

خود کو دیکھا تو نہ پہچان سکے
ہم بھی کیا حال بنا بیٹھے ہیں

ابھی کچھ ملتے ہیں منزل کے سُراغ
ابھی کچھ آبلہ پا بیٹھے ہیں

منزلوں رہ گئے پیچھے باقیؔ
دو گھڑی راہ میں کیا بیٹھے ہیں

○

پھر چلے ہیں ایک زمانے کے بعد دیوانے
عجب نہیں ترا در بھی نہ اُن کو پہچانے

ادا شناس نگاہیں بھی کھا گئیں دھوکا
یہ کس لباس میں نکلے ہیں تیرے دیوانے

کسی اُمید پہ پھر بھی نظر بھٹکتی ہے
اگرچہ چھان چکے ہیں دلوں کے ویرانے

کہیں نہ روشنی پاؤ گے میرے دل کے سوا
کہاں چلے ہو اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے

تری نگاہ نے رستہ بدل دیا ورنہ
چلے تھے ہم بھی غمِ زندگی کو اپنانے

بہارِ انجمنِ شب میں اب وہ بات کہاں
ہزار شمع جلے، لاکھ آئیں پروانے

ہر ایک بات زباں پر نہ آسکی باقیؔ
کہیں کہیں سے سُنائے ہیں ہم نے افسانے

○

نہ سہی سازِ غم ساز تو ہے
زندگی کا کوئی انداز تو ہے

کچھ گریزاں ہے صبا ہی ورنہ
بوئے گُل مائلِ پرواز تو ہے

بن سکے سُرخیٔ رودادِ حیات
خونِ دل اتنا بس انداز تو ہے

لبِ خاموش بھی جل اُٹھے ہیں
کچھ نہ کچھ وقت کا اعجاز تو ہے

میری آمد نہ گراں گذری ہو
اس خموشی میں کوئی راز تو ہے

کس توقع پہ صدا دیں باقیؔ
درِ اربابِ کرم باز تو ہے

○

احساسِ سفر داغِ سفر بن کے عیاں ہے
منزل پہ چراغِ سرِ منزل کا دُھواں ہے

لازم ہے رہیں اہلِ چمن گوش بر آواز
اب میری فغاں ہی مرے ہونے کا نشاں ہے

ہر کام ادھورا نظر آتا ہے جہاں کا
ہر سمت تری نیم نگاہی کا سماں ہے

فریاد کی اب کوئی ضرورت نہیں باقی
اب حال مرا تنگیِ زمانہ سے عیاں ہے

○

آپ کب مائلِ کرم نہ ہوئے
حادثاتِ جہاں ہی کم نہ ہوئے

خیر ہو تیری کم نگاہی کی
ہم کبھی بے نیازِ غم نہ ہوئے

آج ہی آئے سینکڑوں الزام
آج ہی انجمن میں ہم نہ ہوئے

لوح آزاد تھی قلم آزاد
پھر بھی کچھ حادثے رقم نہ ہوئے

شمع کی طرح ہم جلے باقیؔ
پھر بھی آگاہِ رازِ غم نہ ہوئے

○

کھائیں کیوں دہر کا غم دیوانے
اور دنیا میں ہیں کم دیوانے

سنگِ منزل کی طرح بیٹھ گئے
چل کے دو چار قدم دیوانے

کس توقع پہ جئیں ہم اے دل
کون کرتا ہے کرم، دیوانے

پاسِ حالات بجا ہے لیکن
ہو نہ جائیں کہیں ہم دیوانے

اس زمانے میں وفا کا دعویٰ
خود پہ کرتے ہیں ستم دیوانے

زندگی تلخ ہوئی جاتی ہے
کھو نہ دیں اپنا بھرم دیوانے

چونک چونک اُٹھے خرد کے بندے
جب بھی مل بیٹھے بہم دیوانے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں عنواں کوئی
کرکے افسانہ رقم دیوانے

کھا گئے قحطِ جنوں میں باقی
بیچ کر لوح و قلم دیوانے

○

کیسے شکوے کس کی بات
دل میں اُتر آئے حالات

یاد آئی کیا تیری بات
نیند نہ آئی ساری رات

تم بھی واپس لا نہ سکو
اتنی دور گئی ہے بات

میرے غم میں ڈوب گئی
انگڑائی لے کر برسات

رسوائی کا نام بڑا
جب چھیڑو تازہ ہے بات

دل کو روشن کرتی ہیں
بجھ کر شمعیں بعض اوقات

جب عرضِ غم کی باقی
ہنس کر ٹال گئے وہ بات

○

کوئی سمجھے تجھے نامہرباں کیوں
مگر تجھ سے ہے دُنیا بدگماں کیوں

کوئی تو بات ہے اظہارِ غم میں
وگرنہ لڑکھڑاتی ہے زباں کیوں

اُبھرتا ہے یہیں سے ہر تلاطم
بلندی سے خفا ہیں پستیاں کیوں

جو اپنی رہگذر سے آشنا ہو
وہ دیکھے نقشِ پائے رہرواں کیوں

اُداسی منزلوں کی کہہ رہی ہے
اِدھر سے کوئی گزرے کارواں کیوں

مسافر کوئی شاید لٹ گیا ہے
چراغِ راہ سے اُٹھا دھواں کیوں

جہاں تیری نظر ہو کارفرما
وہاں باقی رہے میرا نشاں کیوں

○

ایسے دل پر بھی کوئی کیا جائے
سامنے اُن کے نہ بیٹھا جائے

اب ہے وہ زخمِ نظر کا عالم
تیری جانب بھی نہ دیکھا جائے

کتنی سنسان ہے راہِ ہستی
نہ چلا جائے نہ ٹھہرا جائے

ہمہ تن گوش بر آواز رہو
کیا خبر کوئی خبر آ جائے

زندگی اُڑتا ہوا سایہ ہے
آگے آگے ہی سرکتا جائے

آرزو دیر سے چپ ہے باقی
در پہ دستک کوئی دیتا جائے

○

کوئی نغمہ تو دُور سے پیدا ہو
آپ ہوں یا ہوا کا جھونکا ہو

وہ نظر بھی نہ دے سکی تسکیں
اے دلِ بے قرار اب کیا ہو

کام آتے نہیں تماشائی
ایک ساتھی ہو اور اپنا ہو

وہ اندھیرے کے طور کیا جانے
جس کے گھر میں چراغ جلتا ہو

دل سے اک بات کر رہے ہیں ہم
پاس بیٹھا نہ کوئی سُنتا ہو

اُس کے غم کا علاج کیا باقیؔ
بے سبب جو اُداس رہتا ہو

○

زمانہ گُم، زمیں گُم، آسماں گُم
خیالِ دوست میں سارا جہاں گُم

تغیر آشنا ہے سطحِ دریا
کبھی کشتی، کبھی موجِ رواں گُم

بڑھی جاتی ہے راہوں کی اُداسی
ہوا جاتا ہے میرِ کارواں گُم

چمن کی وسعتوں سے شور اٹھا
قفس میں ہو گئی برقِ تپاں گُم

بہت نازک ہے منزل دوستی کی
یہیں ہوتا ہے ہر اک مہرباں گُم

نظر اُٹھی ہی تھی سوُئے زمانہ
ہوا اتنے میں تیرا آستاں گُم

محبت ڈھونڈتی پھرتی ہے باقیؔ
جہاں نے کر دیا ہم کو کہاں گُم

○

اپنے زخموں میں چھپے جاتے ہیں
کوئی دیکھے تو نظر آتے ہیں

رنگ، تصویر میں بھرنے والے
پسِ تصویر ہوئے جاتے ہیں

تیرے ارماں ہیں کہ اندوہِ جہاں
دل میں کچھ سائے سے لہراتے ہیں

دھیان غربت کی طرف جاتا ہے
یادِ اربابِ وطن آتے ہیں

یہ غمِ دل، یہ شبِ تنہائی
سوچتے سوچتے سو جاتے ہیں

جب قدم رکھتے ہیں گھر میں باقی
سینکڑوں حادثے یاد آتے ہیں

○

کبھی حرم پہ کبھی بتکدے پہ بار ہُوا
کہاں کہاں ترا دیوانہ شرمسار ہُوا

گذر گیا ہے محبت کا مرحلہ شاید
ترے خیال سے بھی دل نہ بے قرار ہُوا

تمھاری بزم میں جب آرزو کی بات چھڑی
ہمارا ذکر بھی یاروں کو ناگوار ہُوا

چمن کی خاک سے پیدا ہوا ہے کانٹا بھی
یہ اور بات کہ حالات کا شکار ہُوا

نسیمِ صبح کی شوخی میں تو کلام نہیں
مگر وہ پھول جو پامالِ رہگذار ہوا

روش روش پہ سُلگتے ہوئے شگوفوں سے
کبھی کبھی ہمیں اندازۂ بہار ہوا

فسانہ خواں کوئی دُنیا میں مل گیا جس کو
اُسی کا ذکر فسانوں میں بار بار ہوا

کس انجمن میں جلایا ہے تو نے اے باقی
ترا چراغ، چراغِ سرِ مزار ہوا

○

غمِ دل کیا، غمِ دُنیا بھی نہیں
تم نہیں تو کوئی رونا بھی نہیں

زندگی حدِّ نظر تک چُپ ہے
نغمہ کیسا کوئی نالہ بھی نہیں

سرسری ربط کی اُمّید ہی کیا
اُس پہ یہ ظلم کہ ایسا بھی نہیں

بات لب پر بھی نہیں آسکتی
اور تجھ سے کوئی پردا بھی نہیں

چُپ رہیں ہم تو گِلے ہوتے ہیں
کچھ کہیں تو کوئی سُنتا بھی نہیں

انتہا دیکھئے خاموشی کی
آج اپنے لبِ گویا بھی نہیں

ابھی کر دیں تجھے دنیا کے سپرد
ابھی جی بھر کے تو دیکھا بھی نہیں

کبھی ہر موج قدم لیتی ہے
کبھی تنکے کا سہارا بھی نہیں

انتہائے غمِ دُنیا معلوم
اب نظر محوِ تماشا بھی نہیں

گرد راہوں پہ جمی ہے باقی
کیسی منزل کوئی چلتا بھی نہیں

○

ہر داغ ہے داغ زندگی کا
کس کا ہے دماغ زندگی کا

دیتے رہے لو بہار کے زخم
جلتا رہا باغ زندگی کا

کس کس کے گھر کا داغ بن کر
جلتا ہے چراغ زندگی کا

کچھ آپ کی انجمن میں آکر
ملتا ہے سراغ زندگی کا

پوچھو نہ مآلِ شوق باقیؔ
دل بن گیا داغ زندگی کا

○

دل کو جب تیری رہگزر جانا
دُور کا غم قریب تر جانا

بے نیازی سی بے نیازی تھی
اپنے گھر کو نہ اپنا گھر جانا

لے نہ ڈوبے کہیں یہ بے خبری
ہر خبر کو تری خبر جانا

اک نئے غم کا پیش خیمہ ہے
بے سبب زخمِ دل کا بھر جانا

تجھ سے آتی ہے بوئے ہمدردی
جانے والے ذرا ٹھہر جانا

ابتدائے سفر کا شوق نہ پوچھ
ہر مسافر کو ہمسفر جانا

زندگی غم کا نام ہے باقیؔ
ہم نے اب قصّہ مختصر جانا

○

ہے روایاتِ محبت کا امیں
تیرے ٹوٹے ہوئے وعدے کا یقیں

کتنے اونچے تھے جہاں سے گویا
آسماں تھی ترے کوچے کی زمیں

ہم نے تیور تو بدلتے دیکھے
پھر کہا آپ نے کیا یاد نہیں

دیکھ کر رنگ تری محفل کا
ہم نے غیروں کی طرح باتیں کیں

حادثہ ہے کوئی ہونے والا
دل کی مانند دھڑکتی ہے زمیں

تنگ آ کر مری خاموشی سے
چیخ اُٹھیں نہ در و بام کہیں

دُور سے دیکھتے جائیں باقیؔ
زندگی کوئی تماشا تو نہیں

○

ہم ذرّے ہیں خاکِ رہگزر کے
دیکھو ہمیں بام سے اُتر کے

چپ ہو گئے یوں اسیر جیسے
جھگڑے تھے تمام بال و پر کے

اے بادِ سحر نہ چھیڑ ہم کو
ہم جاگے ہوئے ہیں رات بھر کے

شبنم کی طرح حیات کے خواب
کچھ اور نکھر گئے بکھر کے

جب اُن کو خیالِ وضع آیا
انداز بدل گئے نظر کے

طوفاں کو بھی ہے ملال اُن کا
ڈوبی ہیں جو کشتیاں اُبھر کے

حالات بنا رہے ہیں باقیؔ
ممنون نہ ہوں گے چارہ گر کے

○

کوئی اُن کی خبر نہیں آتی
بات بنتی نظر نہیں آتی

تلخیٔ شب نہ جس میں شامل ہو
کوئی ایسی سحر نہیں آتی

کس سے پوچھیں بہار کی باتیں
اب صبا بھی ادھر نہیں آتی

اُٹھ گئی ہے وفا ہی دُنیا سے
بات اک آپ پر نہیں آتی

زندگی ہے وہ آئنہ جس میں
اپنی صورت نظر نہیں آتی

دل پہ کھلتی ہے جب حقیقتِ غم
پھر ہنسی عمر بھر نہیں آتی

کون سی شے کی ہے کمی باقی
زندگی راہ پر نہیں آتی

○

تیرے در تک نہیں جانے پاتے
ہم کہاں اور ٹھکانے پاتے

ہر قدم پر ہے نیا ہنگامہ
ہوش میں ہم نہیں آنے پاتے

جلوہ پردہ ہے تو پردہ جلوہ
کیا ترا بھید زمانے پاتے

تم عناں گیرِ جنوں ہو ورنہ
چور چور آئنہ خانے پاتے

لوگ غربت کا گلہ کرتے ہیں
ہم وطن سے نہیں جانے پاتے

درد ہوتا تو مسلسل ہوتا
دل کو ہم دل تو بنانے پاتے

غم اگر ساتھ نہ دیتا باقیؔ
دشت بھی ہم نہ بسانے پاتے

○

کیا دورِ جہاں سے ڈر گئے ہم
کیوں تجھ سے گریز کر گئے ہم

حیرت ہے کہ سامنے سے تیرے
غیروں کی طرح گذر گئے ہم

وہ دَور بھی زندگی میں آیا
محسوس ہُوا کہ مر گئے ہم

اے دشتِ حیات کے بگولو
ڈھونڈو تو سہی کِدھر گئے ہم

آئی یہ کدھر سے تیری آواز
چلتے چلتے ٹھہر گئے ہم

گذری ہے صبا قفس سے ہو کر
لینا غمِ بال و پر گئے ہم

ساحل کا مرحلہ ہے باقی
طوفاں سے تو پار اُتر گئے ہم

○

کوئی سمجھے تو زمانے کا بھرم ہیں ہم لوگ
ورنہ اک قافلۂ ملکِ عدم ہیں ہم لوگ

دیکھئے کون سی منزل ہمیں اپناتی ہے
راندۂ میکدہ و دیر و حرم ہیں ہم لوگ

مسکراہٹ کو سمجھ لیتے ہیں دل کا پرتو
آشنا دہر کے انداز سے کم ہیں ہم لوگ

یاد آئیں گے زمانے کو ہم آتے آتے
اک تری بھولی ہوئی طرزِ ستم ہیں ہم لوگ

کوئی نسبت نہیں اربابِ نظر سے باقی
سائے کی طرح پسِ ساغرِ جم ہیں ہم لوگ

○

آوازِ جرس ہے یا فغاں ہے
کس حال میں قافلہ رواں ہے

اُٹھتے اُٹھتے اُٹھیں گے پردے
صدیوں کا غبار درمیاں ہے

کس کس سے بچائے کوئی دل کو
ہر گام پہ ایک مہرباں ہے

ہر چند زمیں ہے لیکن
تم ساتھ چلو تو آسماں ہے

ضَو صبح کی چھُو رہی ہے دل کو
ہر چند کہ رات درمیاں ہے

ہم ہوں کہ ہو گردِ راہ باقی
منزل ہے اُسی کی جو رواں ہے

○

چشمکِ ہم سفراں یاد نہیں
کون بچھڑا تھا کہاں یاد نہیں

دلِ شوریدہ سے اُلجھا تھا کوئی
تم تھے یا دورِ جہاں یاد نہیں

ہم تھے شاکی کہ جہاں تھا شاکی
کون تھا کس پہ گراں یاد نہیں

زندگی چال نہ چل جائے کہیں
کوئی بھی اپنا نشاں یاد نہیں

ہم کہاں ہیں کہ ہمیں اب کچھ بھی
جُز حدیثِ دگراں یاد نہیں

آگ گلشن میں لگی تھی یا آتی
فصلِ گل تھی کہ خزاں یاد نہیں

○

چال ایسی غمِ زمانہ چلا
پھر نہ آگے ترا فسانہ چلا

منزلِ زیست بے سراغ رہی
کوئی جب تک برہنہ پا نہ چلا

دل ملیں تو قدم بھی ملتے ہیں
ساتھ ورنہ کوئی چلا نہ چلا

کس طرف سے تری صدا آئی
چھوڑ کر دل ہر اک ٹھکانہ چلا

کیوں گریزاں ہیں منزلیں ہم سے
نہ چلے ہم کہ رہنما نہ چلا

آج کیسی ہوا چلی باقیؔ
ایک جھونکے میں آشیانہ چلا

سُود یاد آیا، زیاں یاد آیا
پھر جہانِ گزراں یاد آیا

ہوش آنے لگا دیوانے کو
عقل کا سنگِ گراں یاد آیا

جرسِ غم نے پکارا ہم کو
کاروانِ دل و جاں یاد آیا

اک نہ اک زخم رہا پیشِ نظر
تم نہ یاد آئے جہاں یاد آیا

نیند چبھنے لگی بند آنکھوں میں
جب چراغوں کا دھواں یاد آیا

کوئی ہنگامۂ روز و شب میں
یاد آ کر بھی کہاں یاد آیا

دیکھ کر صورتِ منزل باقی
دعوئ ہمسفراں یاد آیا

○

کیا زیست کا راز پائیں گے ہم
کتنے پردے اُٹھائیں گے ہم

اک اپنی وفا کی روشنی سے
کس کس کا دیا جلائیں گے ہم

ہر رنگِ جہاں سے ہٹ کے دیکھو
اس طرح نظر نہ آئیں گے ہم

یوں نکلے ہیں تیری جستجو میں
جیسے تجھے ڈھونڈ لائیں گے ہم

انداز جہاں کے دیکھتے ہیں
اپنی بھی خبر نہ پائیں گے ہم

اک بات نہ اُٹھ سکے جہاں کی
کیا بارِ حیات اُٹھائیں گے ہم

آغازِ سفر میں کیا خبر تھی
یوں راہ میں بیٹھ جائیں گے ہم

جو دل پہ گذر رہی ہے باقیؔ
تجھ کو بھی نہ اب بتائیں گے ہم

○

تیرے افسانے سناتے ہیں مجھے
لوگ اب بھولتے جاتے ہیں مجھے

قمقمے بزمِ طرب کے جاگے
رنگ کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

ہیں کسی بات کا پردہ ہوں کہ لوگ
تیری محفل سے اُٹھاتے ہیں مجھے

زخم آئینہ بنے جاتے ہیں
حادثے سامنے لاتے ہیں مجھے

نیند بھی ایک ادا ہے تیری
رات بھر خواب جگاتے ہیں مجھے

تیرے کوچے سے گذرنے والے
کتنے اونچے نظر آتے ہیں مجھے

اُن کے بگڑے ہوئے تیور باقی
زیست کی یاد دلاتے ہیں مجھے

○

دشت یاد آیا کہ گھر یاد آیا
کوئی کرتا ہوا فریاد آیا

پھر بجھی شمع جلا دی ہم نے
جانے کیا وقتِ سحر یاد آیا

ربطِ باہم کی تمنّا معلوم
حادثہ ایک مگر یاد آیا

در و دیوار سے مل کر روئے
کیا ہمیں وقتِ سفر یاد آیا

قدم اُٹھتے نہیں منزل کی طرف
کیا سرِ راہگذر یاد آیا

منزلوں ذوقِ سفر سے اُلجھے
منزلوں آپ کا در یاد آیا

ہنس کے پھر راہنما نے دیکھا
پھر ہمیں رختِ سفر یاد آیا

زندگی گذرے گی کیونکر باقی
عمر بھر کوئی اگر یاد آیا

○

خود کو لگتے ہیں اجنبی سے ہم
باز آئے اِس آگہی سے ہم

ہر تمنّا ہے دُور کی آواز
مِٹ گئے دُور دُور ہی سے ہم

راہ کچھ اور ہو گئی تاریک
جب بھی گذرے ہیں روشنی سے ہم

واقفِ رنگِ دہر ہو کر بھی
تجھ سے ملتے ہیں کس خوشی سے ہم

غم کا احساس مٹ گیا شاید
اب اُلجھتے نہیں کسی سے ہم

کہہ کے رُوداِدِ زندگی باقی
ہنس دئے کتنی سادگی سے ہم

○

وہ رگِ دل میں رگِ جاں میں رہے
پھر بھی ہم ملنے کے ارماں میں رہے

نیند کانٹوں پہ بھی آ جاتی ہے
گھر کہاں تھا کہ بیاباں میں رہے

رنگِ دنیا پہ نظر رکھتے تھے
عمر بھر دیدۂ حیراں میں رہے

بُعد اتنا کہ تصوّر بھی محال
قرب ایسا کہ رگِ جاں میں رہے

عمر بھر نورِ سحر کو ترسے
دو گھڑی تیرے شبستاں میں رہے

قافلے صبح کے گذرے ہوں گے
ہم خیالِ شبِ ہجراں میں رہے

کس قیامت کی تپش ہے باقی
کون میرے دلِ سوزاں میں رہے

○

کیا بتاؤں کہ مُدعا کیا ہے
دل ترے درد کے سوا کیا ہے

دُور تاروں کی انجمن جیسے
زندگی دیکھنے میں کیا کیا ہے

ہر قدم پر نیا تماشا ہو
اور دنیا کا مُدّعا کیا ہے

کوئی لائے پیامِ فصلِ بہار
ہم نہیں جانتے صبا کیا ہے

درد کی انتہا نہیں کوئی
ورنہ عمرِ گریزپا کیا ہے

آپ بیٹھے ہیں درمیاں ورنہ
مرگ و ہستی میں فاصلہ کیا ہے

نہ رہا جب خلوص ہی باقی
پھر روا کیا ہے ناروا کیا ہے

○

رنگِ محفل ہے ادا سے تیری
کوئی اُٹھ جائے بلا سے تیری

دل تری بزم میں لے آتا ہے
ہم تو واقف ہیں رضا سے تیری

مرگ و ہستی کی حدیں ملنے لگیں
بات چل نکلی وفا سے تیری

تیرے جانے پہ ہوا ہے معلوم
شمع روشن تھی ضیا سے تیری

وقت جب چال کوئی چلتا ہے
یاد دیتی ہے ولا سے تیری

تیری آمد کا بہانہ ہے بہار
پھول کھلتے ہیں صدا سے تیری

بوئے گل دیکھی ہے رسوا ہوتے
کیا کریں بات صبا سے تیری

کرتے پھرتے ہیں بگولے باقی
بات ہر آبلہ پا سے تیری

○

وہیں سمجھو ہماری داستاں ختم
جہاں کر دے کوئی افسانہ خواں ختم

جہاں ہم سے خفا ہے ہم جہاں سے
کسی نے بات کر دی ہے کہاں ختم

شکستِ زیست کا دل پر اثر کیا
مگر ہے راہ و رسمِ دوستاں ختم

وہاں سے میرا افسانہ چلے گا
جہاں ہو گی تمہاری داستاں ختم

اُلجھتا جا زمانے کی نظر سے
کبھی تو ہو گا دورِ امتحاں ختم

اگر ہم چپ بھی ہو جائیں تو باقی
زمانہ بات کرتا ہے کہاں ختم

خونِ چکیدہ

○

بادِ خزاں کا فیض ہے یا لغزشِ بہار
کچھ پھول ٹوٹ کر مرے داماں میں آئے ہیں

○

ایک دیوار کی دوری ہے قفس
توڑ سکتے تو چمن میں ہوتے

○

ہوئے آزاد لیکن آ رہی ہے
قفس کی بُو ابھی تک بال و پر سے

○

خوشبو ہم تک آ نہ سکی
پھول کچھ اتنی دُور کِھلے

○

میرے ذوقِ نظر کا کیا ہو گا
چند پھولوں میں بٹ گئی ہے بہار

○

جھک گئی آنکھ عرضِ حال کے ساتھ
بات جاتی رہی سوال کے ساتھ

○

سب کو احساس سے خالی نہ سمجھ
دردمندوں کو سوالی نہ سمجھ

○

آتی نہیں دل کی بات لب تک
خاموش رہیں گے پھر بھی کب تک

○

دیکھ کر رنگ تیری محفل کے
زخم آنکھوں میں آ گئے دل کے

○

صبحِ اُمید کا خیال نہ پُوچھ
ہم نے سوچا ہے رات بھر کیا کیا

آئنہ بن گئی شفق باقی
یاد آیا دمِ سحر کیا کیا

○

گردشِ دُنیا ہے آئینہ بدست
کس قدر حیراں نظر آتے ہیں ہم

روشنی راہوں کی یاد آنے لگی
دور منزل سے ہوئے جاتے ہیں ہم

○

انقلابات کے آئینے میں
صورتِ راہنما دیکھی ہے

دل ٹھہرتا نہیں ہے سینے میں
جانے کیا بات ہونے والی ہے

○

جانے وہ چُپ رہے ہیں کیوں ورنہ
بات کرنے کے سو بہانے تھے

○

جُھک گئی ہے نگاہ کیوں ساقی
ایک تہمت ہوئی کرم نہ ہوا

○

روشنی میرے مقدّر میں کہاں
دُور سے دیکھتا جاتا ہوں چراغ

شاخِ بُریدہ

○

ہم چھپائیں گے بھید کیا دل کا
رنگ آنکھوں میں آگیا دل کا

زندگی تیرگی میں ڈوب گئی
ہم جلاتے رہے دیا دل کا

تم زمانے کی راہ سے آئے
ورنہ سیدھا تھا راستہ دل کا

زندگی بھر کوئی پتہ نہ چلا
دورِ گردوں کا، آپ کا، دل کا

وقت اور زندگی کا آئینہ
نوکِ غم اور آبلہ دل کا

ہر قدم پر ترا سوال آیا
ہر قدم پہ تھا سامنا دل کا

آنکھ کھلتے ہی سامنے باقی
ایک سنسان دشت تھا دل کا

○

وقت چپ سا کھڑا ہے رستے میں
دشت کیسا پڑا ہے رستے میں

آپ کا غم ہو یا زمانے کا،
کوس جو ہے کڑا ہے رستے میں

سنگ ریزوں کو دیکھنے والو
دل سا ہیرا پڑا ہے رستے میں

کوئی کانٹا ہے یا کوئی گُل ہے
دل کا دامن اڑا ہے رستے میں

اس طرح چپ کھڑے ہیں ہم جیسے
ایک پتھر گڑا ہے رستے میں

دل اگر بجھ گیا تو پھر باقی
ایک کانٹا بڑا ہے رستے میں

○

غم بنا دے نہ تماشا ہم کو
ہنسنا آتا ہے نہ رونا ہم کو

ہم ابھی تک ہیں وہیں راہ نشیں
جس جگہ آپ نے چھوڑا ہم کو

اک صدا تک تھی عنایت ساری
پھر کسی نے بھی نہ پوچھا ہم کو

آج دیکھا ہے نیا رنگ اُن کا
دو گھڑی چھوڑ دو تنہا ہم کو

زندگی لے گئی طوفانوں میں
دے کے تنکے کا سہارا ہم کو

تیری محفل کے چراغوں کے تلے
کچھ نشاں ملتا ہے اپنا ہم کو

ہو گئے چُپ ہمیں پاگل کہہ کر
جب کسی نے بھی نہ سمجھا ہم کو

بات ہو، شعر ہو، افسانہ ہو
ہے بہت کچھ ابھی کہنا ہم کو

کوئی روزن ہو کہ دروازہ ہو
چاہیے ایک شرارا ہم کو

فصلِ گُل آئی مگر کیا آئی،
رنگ بھُولا نہ خزاں کا ہم کو

لے گیا ساتھ اُڑا کر باقی
ایک سُوکھا ہوا پتّہ ہم کو

○

رہتے ہیں تصوّر سے بھی اب دُور کہیں لوگ
پہلے سے نہیں ہم کہ وہ پہلے سے نہیں لوگ

منہ کھولے ہوئے بیٹھے ہیں کشکول کی صورت
یا قوتِ گراں مایہ سے تا نانِ جویں لوگ

ملتا ہے جہاں کوئی چمکتا ہُوا ذرّہ
رُکتے ہیں وہیں لوگ، بھٹکتے ہیں وہیں لوگ

کیا آپ کی رفتار کا شعلہ ہے زمانہ
رکھ دیتے ہیں ہر نقشِ زمانہ پہ جبیں لوگ

آ پہنچا ہے اُس نکتے پہ افسانۂ ہستی
کچھ سنتے نہیں آپ تو کچھ کہتے نہیں لوگ

اِس دَور سے چُپ چاپ گزر جا دلِ ناداں
اِحساس کی آواز بھی سُن لیں نہ کہیں لوگ

حالات بدلنا کوئی مشکل نہیں باقی
حالات کے رستے ہیں ہیں دیوار ہمیں لوگ

○

اُن کا یا اپنا تماشا دیکھو
جو دکھاتا ہے زمانہ دیکھو

وقت کے پاس ہیں کچھ تصویریں
کوئی ڈوبا ہے کہ اُبھرا دیکھو

رنگ ساحل کا نکھر آئے گا
دو گھڑی جانبِ دریا دیکھو

تلملا اُٹھا گھنا سنّاٹا،
پھر کوئی نیند سے چونکا دیکھو

ہمسفر غیر ہوئے جاتے ہیں
فاصلہ رہ گیا کتنا دیکھو

برف ہو جاتا ہے صدیوں کا لہو
ایک ٹھہرا ہوا لمحہ دیکھو

رنگ اُڑتے ہیں تبسم کی طرح
آئینہ خانوں کا دعوٰی دیکھو

دل کی بگڑی ہوئی صورت ہے جہاں
اب کوئی اور خرابہ دیکھو

یا کسی پردے میں گم ہو جاؤ
یا اُٹھا کہ کوئی پردہ دیکھو

دوستی خونِ جگر چاہتی ہے
کام مشکل ہے تو رستہ دیکھو

سادہ کاغذ کی طرح دل چپ ہے
حاصلِ رنگِ تمنّا دیکھو

یہی تسکین کی صورت ہے تو پھر
چار دن غم کو بھی اپنا دیکھو

غمگساروں کا سہارا کب تک
خود پہ بھی کر کے بھروسا دیکھو

اپنی نیّت پہ نہ جاؤ باقیؔ
رُخ زمانے کی ہوا کا دیکھو

○

پرسشِ حال بھی رہنے دیجے
اس تکلّف کی ضرورت کیا ہے

○

پرسشِ غم سے بھی اُن کا مقصد
پرسشِ غم کے سوا کیا ہوگا

○

در پہ دستک کسی نے دی باقیؔ
کوئی پرسانِ حال آ ہی گیا

○

اس طرح اُٹھے تری محفل سے
جیسے ہم بھول کے آ بیٹھے تھے

○

محبّت تھی تری پہلی نظر تک
اب آگے دشمنی ہی دشمنی ہے

○

ترے جمال کی آرائشیں نہ ختم ہوئیں
مرا خیال جنوں کی حدیں بھی چھو آیا

○

جب جھجک کر تری نگاہ ملی
حادثاتِ جہاں کو راہ ملی

○

دیکھ کہ ہم کو بے نیازِ حیات
حوصلہ بڑھ گیا زمانے کا

○

بارِ دُنیا نہ اُٹھ سکا تو کیا
زندگی میرا انتخاب نہیں

○

بات کہہ دیتے تو اچھا ہوتا
چُپ کے تو سینکڑوں پہلو نکلے

○

بات کو سوچتے نہیں باقیؔ
لوگ جب داستاں بناتے ہیں

○

وہ پَو پھٹی، وہ سحر آئی، رات ختم ہوئی
پھر ایک بات چھڑی، ایک بات ختم ہوئی

○

کوئی کس طرح ان کو سمجھائے
بات چھیڑو تو بات کھل جائے

○

اب سوز بھی ساز چاہتا ہے
دُنیا کی زباں کہاں سے لائیں

○

چراغِ لالہ میں جلتا رہا ہے خونِ بہار
یہ اور بات کہ گلشن میں روشنی نہ ہوئی

○

کس طرح پہنچے کوئی منزل تک
راہ میں راہنما بیٹھے ہیں

○

راہبر کا طلسم جب ٹوٹا
یاد ایک ایک ہم سفر آیا

○

دیکھ کر صبح کی گھڑی نزدیک
اور بھی رات ہو گئی تاریک

انقلابِ چمن ذرا دیکھو
پھول کانٹوں سے مانگتے ہیں بھیک

○

ہم نے افسانہ کر دیا ہے رقم
آگے سب کچھ فسانہ خواں تک ہے

مطبوعات کارواں

کتاب	مصنف	پیسے	روپے
ترجمان اسرار (اقبال کی اسرار خودی کا منظوم ترجمہ)	از جسٹس ایس-اے-رحمان	00	3
خم کاکل (تیسری بار)	از سیف الدین سیف	00	4
برگ نے (دوسری بار)	از ناصر کاظمی	00	3
رم جھم (چھٹی بار)	از احمد ندیم قاسمی	00	4
جزیروں کے گیت	از کیپٹن سید ضمیر جعفری	00	2
لہو ترنگ	,, ,, ,,	00	2
زنداں نامہ	از فیض احمد فیض	50	2
دست صبا	,, ,,	50	2
نقش فریادی	,, ,,	00	2
شہر خوباں (دوسری بار)	از عدم	00	2
بط مے	,,	زیر طبع	
گردش جام	,,	,,	
گلنار	,,	,,	
تیز ہوا اور تنہا پھول	از منیر نیازی	00	3
برگ آوارہ	از حبیب جالب	00	3
پھول اور شعلے (نذر الاسلام)	از محمد اشرف خاں عطا	00	2
حبسیات	از ظفر علی خاں	00	2
خیالستان	,, ,,	00	2
حیات ظفر علی خاں	از محمد اشرف خاں عطا	00	5
سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ	از ڈاکٹر سید عبداللہ	00	6
سیلاب و گرداب (افسانے)	از احمد ندیم قاسمی	00	3
ہزاروں سال پہلے (تاریخ)	از ابن حنیف	50	3
غلامان محمد (سوانح)	از محمد احمد پانی پتی	00	6

ہزاروں سال پہلے

از ابن حنیف

ابن حنیف کے نام سے ''امروز'' کے قارئین بخوبی آشنا ہیں - انھوں نے بابلی اور سومیری تہذیب، ہندو اور یونانی دیو مالا اور خصوصاً قدیم مصر کے قصوں اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ وہ صرف دلچسپ واقعات کو یکجا کر دینا یا ان کا حوالہ دے دینا کافی نہیں سمجھتے - ان کا تجزیہ کرتے ہیں، مختلف مورخوں کے بیانات کا موازنہ کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی رائے رکھتے ہیں، جسے وہ صاف اور سادہ زبان میں بیان کردیتے ہیں - اردو میں اس انتہائی دلچسپ موضوع کو علمی سطح پر بہت کم چھیڑا گیا ہے - اگر بحث میں کہیں ضرورت پیش آ جائے تو حوالہ عموماً انگریزی کتابوں میں تلاش کیا جاتا ہے - اردو میں اس موضوع پر جو کتابیں میسر بھی ہیں وہ زیادہ تر ترجمہ ہیں اور مغربی انداز فکر کی نمائندہ ہیں اس لئے ''ہزاروں سال پہلے'' کو اردو میں اپنے انداز کی پہلی معقول اور مستند کتاب کہا جا سکتا ہے - اس کتاب میں آٹھ مضامین شامل ہیں اور ہر مضمون اس قدر دلچسپ ہے کہ کسی بھی قاری کے لئے اسے درمیان میں چھوڑ دینا ممکن نہیں ہوگا - یقین ہے کہ ابن حنیف کی یہ کوشش دوسرے ادیبوں، مورخوں اور محققوں کو اردو میں اس موضوع کو مقبول بنانے اور قدیم تاریخ کے مختلف روپ پیش کرنے پر آمادہ کر لے گی -

ظہیر بابر ''روز نامہ امروز'' لاہور

قیمت 3.50

''ہزاروں سال پہلے'' ابتدائی مہذب انسانی معاشرہ یعنی مصری معاشرہ کی اہم شخصیتوں اور مختلف تصورات کو پیش کرتی ہے - انہی شخصیتوں میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ کی اعلیٰ شخصیتیں بھی آتی ہیں اور مصنف نے بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ وہ مواد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے - جسے جدید تاریخی نقطہ نظر سے اہم اور ضروری کہا جاتا ہے -

''روز نامہ نوائے وقت'' لاہور